تربیت ہوئی ہو۔

(ج) عالم اسلام سیاسی، اجتماعی اور علمی اعتبار سے شدید بگاڑ کا شکار ہو چکا تھا۔ ظلم و جبر اور خود غرضی عام ہو چکی تھی، اختیار واقتدار زور وزبردستی سے غصب کیا جاتا تھا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے فرائض مٹتے جا رہے تھے اور منافقت، مداہنت، چاپلوسی، بے جا طرف داری اور ناانصافی جیسے رذیل اوصاف پھیل چکے تھے۔ بہت سے علما ایسی جامد تقلید اختیار کر چکے تھے کہ امراض ملت کی دوا ڈھونڈنے کی بجائے حالات سے لاتعلقی اختیار کر لینا ہی ان کا شیوہ بن گیا تھا۔

(د) یہ طبقہ مغرب، بالخصوص انگریز کی اس جھوٹی دعوت پر ایمان لے آیا تھا کہ وہ آزادی، انصاف، مساوات اور مظلوموں کی مدد ونصرت کے علمبردار ہیں، حالانکہ اللہ گواہ ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں مغربی ممالک سے زیادہ ظلم وفساد پھیلانے والا کوئی نہیں گزرا۔ اس پر مستزاد یہ ہے کہ وہ اس بات کی بھی تصدیق کر بیٹھے کہ مغرب کی ظاہری ترقی دین سے دوری اور دین کو محض کلیسا تک محدود کرنے کی مرہون منت ہے۔

مغربی عقائد وافکار کا حامل یہ طبقہ امت کو بھی مغربی تہذیب کا دلدادہ بنانے کے لیے مستقل کوشاں رہا، لیکن اسے مشکل یہ درپیش تھی کہ ہند کے مسلمانوں کی تحریک آزادی ایک خاص وصف کی حامل تھی جو اسے عالم اسلام میں برپا ہونے والی بہت سی دیگر تحریک ہائے آزادی سے ممتاز کرتا ہے۔ اس تحریک کا تو بنیادی نعرہ ہی یہ تھا کہ ایک اسلامی سلطنت قائم کی جائے جو مسلمانوں کی حرمات کی محافظ اور ان کے حقوق کی نگہبان ثابت ہو۔ پس مسلمانان ہند کے اس عمومی دینی مزاج کو دیکھتے ہوئے یہ مغرب نواز طبقہ اپنے سیکولر عقائد اور مغربی تہذیب سے اپنی محبت وقربت چھپانے پر مجبور ہوا تاکہ مسلمانوں کی صفوں اس کے لیے کچھ جگہ بن سکے۔ یہی نہیں، بلکہ اس طبقے نے مسلمانوں میں مقبولیت حاصل کرنے کے لیے ان کے جذبات سے کھیلا اور طرح طرح کے خوشنما وعدے کر کے انھیں پیچھے چلایا۔ کبھی ایک سراب کی سمت دوڑایا اور کبھی دوسرے کی سمت اور عملاً کتاب وسنت کی حکمرانی قائم کرنے کی بجائے ہمیشہ مستقبل کے عہد وپیماں باندھے۔

چنانچہ یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ دستور پاکستان اور ریاست پاکستان کا وجود میں آنا بھی اسی کھیل تماشے کا تسلسل ہے جس کی دلیل طلب کرنے کی بجائے پاکستان کی ساٹھ سالہ تاریخ پر نگاہ ڈال لینی چاہیے کہ پاکستان کہاں سے چلا تھا اور کن کن مراحل سے گزرتا ہوا آج کہاں آن کھڑا ہے، بلکہ یوں کہنا بہتر ہوگا کہ کس گڑھے میں جا گرا ہے! آج پاکستان کی حیثیت امریکی فوج اور امریکی خفیہ ایجنسیوں کے لیے خدمات مہیا کرنے والی ایک کمپنی کی سی ہے۔ اس ملک کے قائدین اور سیاست دانوں کی باگ ڈور کا کل مقصود یہ ہے کہ کسی طرح اپنے آپ کو ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کے نام پر لڑی جانے والی امریکہ ومغرب کی اسلام دشمن صلیبی مہم میں باقیوں سے بڑھ کر امریکہ کا وفادار ثابت کر پائیں۔ امریکہ کی رضا کی خاطر آج دین وعقیدے اور نظریہ پاکستان سمیت ہر شے قربان کی جا چکی ہے۔

پاکستان بننے کے بعد سے اس حکمران طبقے نے نہ صرف نفاذ اسلام کے جھوٹے وعدوں پر مشتمل ایک مغربی طرز کا دستور تشکیل دیا ہے، بلکہ اس دستور میں مرحلہ وار ایسی عبارتیں بھی شامل کروائی ہیں جو ان کی بے راہ روی اور فساد کو تحفظ دے سکیں۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ''رشوت'' پاکستان کے سیاسی معاملات میں ایک اہم ترین عامل بن چکی ہے۔ جب بھی

کوئی نیا حکمران آتا ہے تو ارکان پارلیمان اور سیاست دانوں کو مٹھی میں لینے کے لیے امت کا مال رشوت کے طور پر بے دردی سے لٹاتا ہے۔ پھر انھی عوامی نمائندوں سے ایسی دستوری ترامیم منظور کرواتا ہے جو اسے ہر قسم کی جواب دہی اور محاسبے سے تحفظ فراہم کرتی ہیں۔............

زیر نظر کتاب پر دو بنیادی اشکالات پیش کیے جا سکتے ہیں:

(۱) پاکستان کے آئینی و جمہوری نظام کے خلاف بغاوت دراصل عوام کی حکمرانی کے خلاف بغاوت ہے اور اس کی آڑ میں استبدادی نظام کے غلبے اور فرد واحد کی حکمرانی کی سمت دعوت دینا مقصود ہے اور درحقیقت یہ دین کے نام پر لوگوں کی قسمت، حقوق، اموال اور حرمات پر تسلط کی ایک مذموم کوشش ہے۔

(۲) صاحب کتاب کا موقف ہے کہ پاکستان کے قانونی و دستوری نظام میں اصولی اور مہلک خرابیاں پائی جاتی ہیں، لیکن پاکستان کی بہت سی دینی تحریکوں کے قائدین اور داعیان دین اس رائے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک پاکستانی نظام اصولی اعتبار سے بالکل ٹھیک ہے اور تمام تر بگاڑ نظام پر قابض حکمران طبقے کا پیدا کردہ ہے۔ یہ لوگ پاکستان کے حالات سے زیادہ آگاہ ہیں اور اصلاح احوال کے طریقہ کار کو زیادہ بہتر طور پر جانتے ہیں۔ تو پھر مصنف ان سب حضرات کی رائے کو وزن کیوں نہیں دیتے اور اسے کیوں نہیں اپناتے؟ خصوصاً جبکہ پاکستانی نظام کو غیر شرعی قرار دینے کے نتیجے میں تشدد، تصادم اور فتنوں کی آگ بھڑک اٹھنے کا امکان ہے جس سے تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں حاصل ہوگا۔

پہلے شبہے کا جواب یہ ہے کہ ہم دین کے نام پر استبدادی نظام کے غلبے اور فرد واحد کی حکمرانی کی دعوت نہیں دے رہے، بلکہ اسے بھی فساد کی ایک شکل اور خلاف اسلام سمجھتے ہیں۔ ہم تو امت کو شوریٰ اور عدل وانصاف کے سنہرے شرعی اصولوں کی طرف دعوت دیتے ہیں اور تقویٰ وعمل صالح کے علاوہ کسی بنیاد پر انسانوں میں تفریق کے قائل نہیں۔ ہماری دعوت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف دعوت ہے۔ ہماری تو خواہش ہے کہ حاکم ومحکوم، ادنیٰ واعلیٰ، قوی وکمزور، سب بلاتمیز وتفریق شریعت کے سامنے جھک جائیں، امت اپنے حکمران خود شرعی طریقہ کار کے مطابق چنے اور پھر ان کا محاسبہ بھی اسی انداز میں کرے جیسا کہ خلافت راشدہ کے سنہری دور میں ہوا کرتا تھا۔

البتہ ہمیں اندیشہ اس بات کا تھا کہ پاکستان کا حکمران طبقہ ہماری اس پاکیزہ دعوت کو قبول کرنے کی بجائے حاکمیت شریعت، اسلامی اخوت اور خلافت راشدہ کے احیا کی کوششوں میں روڑے اٹکائے گا اور قومی عصبیت وہوائے نفس کی حاکمیت اور وطنی ریاست کی بقا پر اصرار کرے گا اور آج ہم اسی بات کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔

دوسرے شبہے کا جواب یہ ہے کہ:

(الف) اس کتاب میں کوئی ذاتی رائے نہیں پیش کی گئی بلکہ دستور پاکستان اور پاکستانی عدالتوں کے فیصلوں ہی سے اس نظام کا اصولی اعتبار سے ایک منحرف وفاسد نظام ہونا ثابت کیا گیا ہے اور بہت سی مثالوں کے ذریعے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ پاکستانی دستور وقانون میں شرعی احکامات سے متصادم بہت سا مواد پایا جاتا ہے۔

(ب) کتاب میں بیان کردہ موقف کا سب سے بڑا ثبوت خود پاکستان کی عملی صورت حال ہے۔ ایک فاسد دستوری

وقانونی نظام پر قائم یہ ریاست اپنے قیام کے ساٹھ سال گزرنے کے بعد بھی بد سے بدتر کی طرف گامزن ہے۔ خائن ملت فوجی اور سیاسی قائدین یکے بعد دیگرے اسی بہانے کے ساتھ اقتدار پر قابض ہوتے رہے ہیں کہ وہ ملکی سیاست سے بدعنوانی ورشوت ستانی کا خاتمہ کرنے اٹھے ہیں، لیکن اقتدار سنبھالنے کے بعد ہر بار وہی مکروہ کھیل دہرایا جاتا ہے۔ یعنی پہلے سرکاری خزانے سے بھاری رشوتیں دے دے کر سیاست دانوں کی وفاداریاں خریدی جاتی ہیں اور پھر ارکان پارلیمان کی غالب اکثریت کو اپنے ساتھ ملا کر ایک نئی آئینی ترمیم منظور کی جاتی ہے جس کے ذریعے حکمرانوں اور ان کے حاشیہ نشینوں کو ہر قسم کی عدالتی کارروائی اور جواب دہی سے تحفظ حاصل ہو جاتا ہے۔ یوں لوٹ مار اور فساد و بگاڑ کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جس کے خاتمے کے لیے جلد ہی کوئی دوسرا نجات دہندہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔

اس سب لوٹ مار کا منطقی نتیجہ یہی نکلا ہے کہ پاکستان اب ایک کرایے کا نوکر بن کر رہ گیا ہے۔ جہاں سے بھی زیادہ پیسے ملیں، ریاست پاکستان اسی کو اپنی خدمات پیش کرتی ہے۔ چنانچہ آج پاکستان صلیبی لشکروں کا خادم بن کر اپنے مسلمان پڑوسیوں کو، بلکہ اپنے آپ کو بھی تباہ کر رہا ہے اور اس سب کے عوض حکمران طبقے کی جیبیں رشوتوں سے بھر رہی ہیں۔ اب خود ہی بتائیے کہ کیا ان سب حقائق سے انکار کرنا ممکن ہے؟ کیا ان میں کسی شک وشبہے کی گنجائش موجود ہے؟ کیا پاکستان اسلام کے خلاف جنگ میں مصروف نہیں؟ کیا پاکستان کے دار الحکومت اسلام آباد میں مساجد ومدارس کو طلباء وطالبات سمیت ملیا میٹ نہیں کیا گیا؟

(ج) اگر ہم یہ تسلیم کر بھی لیں کہ تمام تر بگاڑ وفساد کا سبب محض حکومت پر قابض حکمران طبقہ ہے تو بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے حکمرانوں کے خلاف خروج کرنے والوں کی مدد نہیں کی تھی، حالانکہ وہ حکمران ان پاکستانی حکمرانوں سے ہزار گنا بہتر تھے؟ کیا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے امام زید بن علی رحمہ اللہ اور پھر محمد نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم رحمہم اللہ کی مالی امداد نہیں کی تھی؟ خروج کی یہ تحریکیں تو ایسے حکمرانوں کے خلاف تھیں جو جہاد بھی کرتے تھے، نماز بھی قائم کرتے تھے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر بھی عامل تھے، شریعت کی حاکمیت اور شرعی نظام قضا بھی قائم کر رکھا تھا۔ ان کا قصور تو صرف یہ تھا کہ انھوں نے اختیارات پر ناجائز طور پر قبضہ کر رکھا تھا اور لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے تھے، لیکن اس کے باوجود بھی امام صاحب رحمہ اللہ نے ان کی تائید ونصرت کی۔

پس اگر آپ کلی طور پر ہماری موافقت نہ بھی کریں تو اتنا تو کر ہی سکتے ہیں کہ جرات ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمارے فقہی موقف کی درستی تسلیم کریں اور ان ظالم وفاجر لوگوں کی صفوں میں شامل ہونے سے انکار کر دیں جو دشمنان دین کے ساتھ بن کر ہمارے مقابل کھڑے ہیں۔ آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے صادقین سے جا ملنے کا حکم دیا ہے، اہل حق کا ساتھی بن کر باطل پرستوں سے بھڑ جانے، نیکی کا حکم دینے، برائی سے روکنے اور لوگوں کو اسی کی طرف دعوت دینے کی ہدایت کی ہے۔ پس قبائل میں برسرپیکار مجاہدین کی حمایت کرنا آپ کا شرعی فریضہ ہے۔ آخر یہی تو وہ فی سبیل اللہ مجاہدین ہیں جو نہ صرف امریکہ اور عالمی صلیبی طاقتوں کے مدمقابل ڈٹے ہوئے ہیں، بلکہ اس صلیبی اتحاد کے اساسی رکن، پاکستان کی فوج کے مظالم بھی ثابت قدمی سے برداشت کر رہے ہیں۔ لہٰذا ان حالات میں شریعت کا کم سے کم تقاضا بھی یہ ہے کہ امریکہ کی وفادار اور اسلام سے غدار حکومتوں کے خلاف خروج کرنے والوں کی مخالفت نہ کی جائے۔

زاہد صدیق مغل

عصر حاضر میں خروج کا جواز اور شبہات کا جائزہ

چند روز قبل ایک این جی او کی طرف سے راقم الحروف کو مکالمہ بعنوان ''عصر حاضر میں تکفیر و خروج'' کے موضوع پر شرکت کی دعوت دی گئی جس میں مختلف مکاتب فکر کے علماء کرام نے شرکت فرمائی۔ چند وجوہات کی بناء پر راقم مکمل پروگرام میں شرکت نہ کر سکا، البتہ پروگرام کی ریکارڈنگ کے ذریعے شرکائے گفتگو کا مقدمہ اور ان کے دلائل سننے کا موقع ملا۔ پوری نشست کا خلاصہ یہ ہے کہ تقریباً تمام ہی شرکائے محفل نہ صرف یہ کہ عصر حاضر میں مسلم ریاستوں کے خلاف خروج کے اصولی عدم جواز پر متفق ہیں بلکہ قریب قریب ان کا یہ نظریہ ایک آفاقی قضیہ بھی ہے، یعنی ماسوا کفر بواح خروج ہر حال میں ناجائز و حرام ہے۔ رہی یہ بات کہ کفر بواح کی صورت میں کیا کیا جائے تو شرکائے مجلس کے رجحانات ذیل میں سے ایک تھے:

☆ خروج و جہاد کے لیے ایسی سخت شرائط عائد کرنا جن کا مقصد اس جدوجہد کو عملاً ناممکن بنا دینا ہے۔

☆ ایسے حالات میں امت مسلمہ کے لیے مروجہ جمہوری طریقوں سے تبدیلی لانے کی جدوجہد کو بہترین طرز عمل قرار دینا، یعنی زیادہ سے زیادہ احتجاج وغیرہ کرنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ (اس نکتے پر باقاعدہ حدیث سے استدلال بھی فرمایا گیا۔)

شرکائے مجلس نے دلائل کے طور پر قرآنی آیات واحادیث سے بھی اپنے استدلال کو مزین فرمانے کی کوشش کی۔ نیز اس سلسلے میں (سیاق وسباق سے کاٹ کر) کتب فقہ کی عبارات سے بھی اپنے دعوے کو تقویت پہنچانے کی کوشش کی۔ ممانعت خروج کی حکمتوں پر انتہائی شد و مد کے ساتھ زور دیتے ہوئے کہا گیا کہ خروج سے منع کرنے کی وجہ مسلمانوں کو فساد سے بچانا نیز امن وسلامتی پر مبنی ریاست قائم کرنا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ تقریباً ساڑھے تین گھنٹے جاری رہنے والے اس مکالمے میں جہاں یکطرفہ طور پر خروج کی ممانعت ثابت کرنے کیلئے اس کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا، وہاں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت حسینؓ کے خروج کا کلیتاً ذکر تک نہ ہوا کہ جاری بحث کی روشنی میں ان دونوں حضرات کے خروج کی شرعی حیثیت کیا ہے۔

اس مضمون کے پیش نظر دو مقاصد ہیں: اولاً اپنے موقف کو پیش کرنا (جس کا موقع پروگرام میں نہ مل سکا)۔ ثانیاً، دیگر شرکائے محفل کے موقف کا جائزہ پیش کرنا۔ دھیان رہے، نفس مضمون کا مقصد یہ ثابت کرنا نہیں کہ خروج کرنا ہر حال میں واجب ہے یا مصلحانہ اسلامی جدوجہد کرنا باطل ہے اور نہ ہی اس کا مقصد کسی مخصوص تحریک خروج کا جواز

نیشنل یونیورسٹی فاسٹ، اسلام آباد۔ zahid_12feb@yahoo.com

فراہم کرنا ہے، بلکہ یہ واضح کرنا ہے کہ جس طرح اصلاحی تحریکات کا دین میں مخصوص مقام ہے، اسی طرح انقلابی جدوجہد (خروج وجہاد) بھی ایک جائز حکمت عملی ہے اور موجودہ دور میں اس کی ضرورت واہمیت کا انکار کرنے والے حضرات نہ صرف یہ کہ غلطی پر ہیں بلکہ ایک جائز واہم طریقہ تبدیلی کے مواقع کو اپنے ہاتھ سے ضائع کر دینے والے ہیں۔مباحث مضمون چار حصوں میں تقسیم کیے گئے ہیں:

۱) بنیادی مدعا یہ ہے کہ دور حاضر کی ریاستیں کسی بھی درجے میں خلافت اسلامیہ کے ہم پلہ نہیں، بلکہ درحقیقت یہ سرمایہ دارانہ ریاستیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان ریاستوں کے خلاف خروج کی بحث اصولاً غلط ہے کیونکہ خروج تو فاسق و فاجر مگر 'اسلامی ریاست' کے خلاف ہوتا ہے۔ چنانچہ موجودہ ریاستوں کے خلاف انقلابی جدوجہد کا جواز خروج سے بھی آگے بڑھ کر مباحث جہاد سے فراہم کیا جانا چاہیے۔اس بنیادی دعوے کی تفہیم کے لیے جن اصولی مباحث کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، ان کی وضاحت حصہ اول میں کی گئی ہے۔ان مباحث سے اقوال فقہاء سمجھنے میں بھی مدد حاصل ہوگی۔

۲) موجودہ سرمایہ دارانہ مسلم ریاستوں کے خلاف خروج کا عدم جواز ثابت کرنے والے مفکرین اپنے دعوے میں وزن پیدا کرنے کے لیے فقہائے کرام کے جن خلافِ خروج اقوال کا سہارا لیتے ہیں، ان اقوال کا درست فقہی تناظر حصہ دوئم میں واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۳) حصہ سوئم میں منکرین خروج کے ان شکوک وسوالات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے جنہیں اکثر و بیشتر انقلابی وجہادی جدوجہد کے خلاف بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے۔

۴) آخری حصے میں تحریکات اسلامی کی خدمت میں اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ اسلامی قوت کا بھرپور اظہار کس طرح ممکن ہے۔ وماتوفیقی الا باللہ

۱) خروج کے ضمن میں چند اصولی مباحث

زیر بحث موضوع پر درست زاویہ نگاہ سے غور کرنے کے لیے چند اصولی نکات کی وضاحت ضروری ہے، لہٰذا پہلے ان کی مختصر وضاحت کی جاتی ہے۔

ریاست وحکومت کا فرق

خروج کی بحث کو درست طور پر سمجھنے کے لیے حکومت وریاست کا فرق سمجھنا نہایت ضروری امر ہے اور حقیقت یہ ہے کہ حکومت کو ریاست کے ہم معنی سمجھنا ہی بے شمار علمی وفکری مسائل کی اصل وجہ ہے۔ درحقیقت جب تک یہ فرق واضح نہ ہو، فقہائے کرام کی خلاف خروج عبارات کا اصل محل سمجھنا نہایت دشوار امر ہے۔ چنانچہ ریاست کا معنی 'نظام اقتدار' یا نظام اطاعت وجبر ہوتا ہے جبکہ حکومت محض اس کا ایک جزو ہے نہ کہ کل ریاست۔ نظام اقتدار کا دائرہ خاندان سے لے کر حکومت تک پھیلا ہوتا ہے جس میں نظام تعلیم، معاشرتی تعلقات کی حد بندیاں، نظام تعزیر، قضا، حسبہ اور انہیں نافذ کرنے والے ادارے وغیرہ سب شامل ہوتے ہیں جن میں سے ایک اہم مگر جزوی ادارہ حکومت بھی ہوتا ہے۔

درج بالا فرق کی وضاحت ہم جمہوریت کی مثال سے سمجھ سکتے ہیں۔ جمہوریت محض تبدیلی حکومت کے ایک مخصوص طریقے (ووٹنگ) کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک مکمل ریاستی نظام ہے جس کا نقشہ کچھ یوں کھینچا جا سکتا ہے:

جمہوری نظم ریاست کے کلیدی ادارے: مقنّنہ، بیوروکریسی (انتظامیہ) ٹیکنوکریسی (سرمایہ دارانہ علوم کے ماہرین)، عدلیہ، کورٹس، پولیس، فوج، کارپوریشن وفائنانشل ادارے (مثلاً بینک)، تعلیمی نظام، انٹرسٹ گروپس، آزاد میڈیا وغیرہ۔

جمہوری نظم ریاست میں سرمایہ دارانہ عقلیت کے فروغ میں سرگرم کلیدی کردار: دانشور، کلچرل ہیروز (سپورٹس مین، سائنسدان وغیرہ)، ٹیکنوکریٹ، استعماری ایجنٹ۔

جمہوری نظام نمائندگی کے اہم ادارے: انٹرسٹ گروپس، ہیروز کی پرستش، سیاسی پارٹیاں، ایڈمنسٹریشن، سرمایہ دارانہ تحریکیں۔

جمہوری نظام نفاذ کے اہم ادارے: فوج و پولیس، کورٹس اور عدلیہ کا نظام، شمولیت (سیاسی مخالفین کو ساتھ ملانا)، اخراج (مخالفین کو بے دست وپا کردینا)، سوشل ویلفیئر، صنعتی تعلقات۔

درحقیقت جمہوریت ایک پیچیدہ اور گنجلک ریاستی نظام ہے جس میں طاقت کے بے شمار مراکز ہوتے ہیں (۱) اور ان کا مقصد فرد و معاشرے پر سرمایہ دارانہ عقلیت (rationality) وعلوم کی فرماروائی قائم کرنا ہے۔ جمہوری 'ریاست' کے اس نقشے کی روشنی میں حکومت اور ریاست کا فرق سمجھنا ممکن ہے، یعنی جمہوری حکومت سے مراد محض مقنّنہ (وہ بھی محض ایوان زیریں) ہے جبکہ جمہوری ریاست (نظام اطاعت) سے مراد درج بالا تمام ادارے ہیں۔ اب فرض کریں، اگر محض حکومت بدلنے کے طریقے کو تبدیل کر کے کوئی خاندان جمہوری نظام ریاست پر قبضہ کر لے اور پھر بعینہ انہی جمہوری اداروں کے تحت حکمرانی کرنے لگے تو اسے جمہوری نظام کی تبدیلی نہیں کہا جاتا بلکہ اس قسم کی جمہوریت کو 'آمرانہ جمہوریت' (ill-liberal democracy) کہتے ہیں (مثلاً جیسے پاکستان میں فوجی مداخلت کے بعد قائم ہونے والی جمہوریت ہوتی ہے)۔ چنانچہ کئی مسلم مفکرین (۲) کے خیال میں ایسی مسلم ریاستیں جہاں روایت پسند اسلام اور روایت پسند اسلامی تحریکات کا زور بہت زیادہ ہے، وہاں لبرل جمہوریت قائم کرنا سرمایہ دارانہ ریاستی نظم کے لیے شدید خطرے کا باعث بن سکتا ہے۔ (مثلاً اگر عوام ایسی پارٹی کو ووٹ دے کر حکومت میں لے آئیں جو آزادی، مساوات، ترقی، ہیومن رائٹس وغیرہ کو رد کرتی ہو تو پھر عین ممکن ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام ہی لپیٹ دیا جائے)۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ایسے مسلم اکثریتی علاقوں میں آمرانہ جمہوریتیں (بصورت استعمار دوست بادشاہوں یا ڈکٹیٹروں کی حکومت) قائم کی جائیں تاکہ وقت گزرنے کے ساتھ جس قدر سرمایہ دارانہ نظام مستحکم ہوتا چلا جائے گا، اسی قدر اس بات کے امکانات بڑھ جائیں گے کہ روایت پسندی جدیدیت پسندی میں تبدیل ہو جائے گی، سرمایہ دارانہ علوم و اداروں کا فروغ لوگوں کو اسلام کے بجائے خواہشات نفس کا خوگر بنا دے گا، ساتھ ہی ساتھ اسلامی تحریکیں بھی جمہوری نظام میں اپنی جگہ بنانے کیلئے حقوق کی سیاست کرنے پر آمادہ ہوتی چلی جائیں گی اور جب یہ اطمینان ہو جائے کہ اب جمہوری نظام کو کوئی خطرہ نہیں، تب آمرانہ جمہوریت کو لبرل جمہوریت میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ (عرب دنیا میں جاری بے چینی کی حالیہ لہر درحقیقت آمرانہ جمہوریتوں کو لبرل جمہوریتوں میں تبدیل کرنے کی کوشش ہے، انہیں اسلامی تبدیلی کا پیش خیمہ سمجھنا سادہ لوحی کے سوا کچھ نہیں)۔ چونکہ جمہوری نظام ریاست جس شیطانی انفرادیت (یعنی ہیومن بینگ)